قریب دس دس گز تک کوئی آدمی نہ بیٹھیگا۔ ہمارے ہاتھ میں صرف سادہ بے ترجمہ قرآن اور سادہ کاغذ اور آزاد قلم (انڈی پنڈنٹ) ہوگا۔"

آپ کو اختیار ہوگا ایک رکوع لیجئے دو لیجئے تین لیجئے، مریدوں کے خرچ کا اندیشہ ہے تو ان کو منع کر دیجئے کہ وہ ہرگز آپ کو ایسے امتحان میں دیکھنے نہ آئیں۔ ہاں میں ہمدردانہ بات آپ کو سمجھا دوں کہ اس مقابلہ کیلئے آنے سے پہلے اپنے رکن اعظم مولوی سرور شاہ صاحب سے ضرور مشورہ کرلیں۔ کیونکہ ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں!
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

{اس کے بعد عرصہ تک خاموشی رہی۔ مدت مدید کے بعد ۷۔ مارچ ۱۹۳۰ء کے الفضل میں ایک بے حقیقت سا نوٹ نکلا۔ پھر ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں نکلا۔ پھر ۲۳۔ مئی ۱۹۳۰ء کے الفضل میں کسی غیر ذمہ دار کا ایک نوٹ نکلا۔ ان سب کے جواب میں "اہلحدیث" ۲۳۔ مئی ۱۹۳۰ء اور ۲۰ جون ۱۹۳۰ء میں جواب الجواب نکلا۔ پھر اُدھر سے خاموشی رہی۔ یہانتک کہ ۱۳۔ فروری ۱۹۳۱ء کے اہلحدیث میں یہ سارا اجراء درج کیا گیا جو درج ذیل ہے۔}

قادیانی تفسیر نویسی

ادھر آپیارے ہنر آزمائیں تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

جناب مرزا صاحب متوفی کو یہ خاص ملکہ حاصل تھا کہ ایک جہت سے جب وہ عام رائے اپنے خلاف پاتے تو لوگوں کی توجہ دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کرتے۔ جن دنوں پیر صاحب گولڑہ نے مرزا صاحب کے برخلاف آواز اُٹھائی تو مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء میں اُن کو اور اُن کے ساتھ مجھ خاکسار اور دیگر علماء کو بالمقابل تفسیر نویسی کا نوٹس دیا۔ جس کے چند جملے یہ تھے۔

"ہم دونوں (مرزا صاحب اور پیر صاحب) قرعہ اندازی سے ایک قرآنی سورت

بلکہ عربی فصیح بلیغ میں ایسی تفسیر لکھیں جو قرآنی علوم اور حقائق اور معارف پر مشتمل ہو × × × فریقین کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کیلئے ایک دوسرے کی بخوبی تلاشی لے لیں تاکہ کوئی پوشیدہ کتاب ساتھ نہ ہو × × × ہرگز اختیار نہ ہوگا کہ کوئی فریق اپنے پاس کوئی کتاب رکھے یا کسی مددگار کو پاس بٹھائے × × میں بہرحال اس مقابلہ کیلئے جو محض بالمقابل عربی تفسیر لکھنے میں ہوگا لاہور میں اپنے تئیں پہنچا دونگا۔" (اشتہار ۲۸۔ اگست ۱۹۰۰ء)

اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ پیر صاحب گولڑہ۔ خاکسار اور دیگر علماء اسلام لاہور پہنچ گئے اور مرزا صاحب تشریف نہ لائے۔ شاہی مسجد میں جلسہ ہوا، شوخ مزاجوں نے نظمیں پڑھیں۔ جن میں ایک شعر یہ بھی تھا ؎

بنایا آڑ کیوں ..... کا چرخہ نکل! دیکھیں تری تفسیر دانی

پیرا نمبر ۲ یہ زمانہ گذرا۔ اس کے بعد میاں محمود خلف مرزا صاحب خلیفہ ثانی قادیان کا دور آیا تو آپ کے حاشیہ نشینوں نے حق الخدمت ادا کرنے کو قادیانی اخبار "الفضل" ۱۲ جولائی ۱۹۲۵ء میں علماء دیوبند کو بالمقابل تفسیر نویسی کا نوٹس دیا۔ تو ہماری غیرت نے تقاضا کیا کہ ہمارے ہوتے قادیان کی توجہ اور طرف کیوں؟ ؎ جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف

اوکشتہ ستم! تری غیرت کہاں گئی

اس کے جواب میں ہم نے لکھا "ہم بالمقابل تفسیر نویسی کیلئے تیار ہیں"۔ (اہلحدیث ۲۱۔ اگست ۱۹۲۵ء) "الفضل" اس کے جواب میں بولا کہ ہمارا خطاب دیوبندیوں کو ہے مولوی ثناء اللہ کیوں دخل دیتا ہے۔ پہلے وہ دیوبندیوں سے وکالت نامہ حاصل کرے۔ اگر وہ مخاطب بنتا ہے تو قادیان میں آکر تفسیر لکھے۔ (الفضل ۱۰ ستمبر ۲۵ء) اس کے جواب میں ہم نے "اہلحدیث" (۲۵ ستمبر ۲۵ء) میں لکھا کہ "تعلیمی حیثیت سے ہم بھی دیوبندی ہیں۔ ہمیں وکالت نامہ کی حاجت نہیں"۔ اس کے بعد "اہلحدیث" ۱۳۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں ہم نے فیصلہ کن جواب دیا۔ جو یہ ہے۔

" سنو جی! ہم زیادہ باتیں کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے آخری اعلان کرکے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ ناظرین پبلک کو حقیقت معلوم ہوگئی ہے اب اصل بات سنو!

آپ بتراضی فریقین کوئی تاریخ مقرر کرکے بٹالہ کی جامع مسجد میں آجائیں۔ جہاں آٹھ بجے صبح سے ۱۲ بجے تک مجلس ہوگی۔ جس میں مَیں اور آپ (خلیفہ قادیان) تفسیر القرآن لکھینگے اسطرح سے کہ مجھ سے اور آپ سے قریب دس دس گز تک کوئی آدمی نہ بیٹھیگا۔ ہمارے ہاتھ میں صرف سادہ بے ترجمہ قرآن اور سادہ کاغذ اور آزاد قلم (انڈی پنڈنٹ) ہوگا۔

آپ کو اختیار ہوگا ایک رکوع لیجئے دو لیجئے تین لیجئے۔ مریدوں کے خرچ کا اندیشہ ہے تو ان کو منع کردیجئے کہ وہ ہرگز آپ کو ایسے امتحان میں دیکھنے آئیں۔ ہاں میں ہمدردانہ بات آپ کو سمجھادوں کہ اس مقابلہ کیلئے آنے سے پہلے اپنے رکن اعظم مولوی سرور شاہ صاحب سے ضرور مشورہ کرلیں۔ کیونکہ ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں کہ اس نواح سودا برہنہ پا بھی ہے۔"

اس صاف اور سیدھے جواب کے جواب الجواب میں "الفضل" نے پھر وہی رونا رویا کہ

" مولوی ثناء اللہ صاحب جو ہمارے پہلے چیلنج کے مخاطب نہ تھے اس بحث میں آن کودے۔ ہم نے ان سے مطالبہ کیا تھا کہ دیوبندیوں سے قائمقامی کی سند لیں جو ہمارے اصل مخاطب ہیں۔ مگر افسوس کہ اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔"

اصل بات کا جواب یوں دیا۔

" ہمارے ہاتھ میں صرف سادہ بے ترجمہ قرآن اور سادہ کاغذ اور آزاد قلم ہوگا" بے شک یہ طریق مقابلہ اُسوقت درست ہوسکتا تھا جب یہ دیکھنا ہوتا کہ زید عربی زیادہ پڑھا ہوا ہے یا بکر۔ لیکن ہر عقلمند انسان جو ہمارے پہلے مضامین پڑھ چکا ہے اور دیوبندیوں کے اشتہار کو دیکھ چکا ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ مقابلہ اس امر میں نہیں ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ عربی جانتے ہیں یا نہیں۔

یا غیر احمدی مولوی عربی جانتے ہیں یا نہیں ۔ بلکہ فیصلہ اس امر کا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ غیر احمدی مولویوں پر ایسے علوم ظاہر کرتا ہے جو پہلی کتب میں نہیں ۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر اس نے ایسے علوم ظاہر کئے ہیں اور جن کے ذریعہ آپ کی جماعت میں بھی یہ طاقت ہے کہ قرآن کریم کے نئے علوم اور معارف ظاہر کر سکے ۔ اس فیصلہ کیلئے بے ترجمہ قرآن کے کیا معنی۔ اور دوسری کسی کتاب کے نہ ہونے کا کیا مطلب ؟ (الفضل ۲۵ دسمبر ۲۵ء)

ناظرین! غور فرمائیں خلیفہ قادیان کے والد مرزا صاحب نے پیر صاحب گولڑہ کے سامنے کیسی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے عربی کی شرط لگائی اور بے یار و مددگار تلاشی دیگر بے کتاب عربی میں تفسیر لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر اُن کے جانشین جو اُن کے علوم کے وارث ہیں عربی دانی کو شرط نہیں مانتے ۔ نہ قادیان چھوڑ کر کسی دوسرے مقام میں آتے ہیں۔ تو آخر کار یہ شعر پڑھ کر دوسرا پیراگراف بھی بند کیا گیا ؎

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے
وہ ساری اُن کی شیخی جھڑی دو گھڑی کے بعد

تیسرا پیراگراف عرصہ دراز اور مدت مدید کے بعد ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۰ء کو پھر ایک آواز آئی۔ "الفضل" نے قصر خلافت کا اشارہ پاکر مندرجہ ذیل الفاظ لکھے۔

"حضرت امام جماعت احمدیہ (میاں محمود) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے پاکباز اور خدا تعالےٰ کے مقرب ثابت ہوئے ہیں۔ (بشہادت اخبار مباہلہ!) کیونکہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے حضور کو قرآن مجید کا ایسا علم عطا کیا ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ۔چنانچہ حضور بارہا اس بارے میں چیلنج دے چکے ہیں۔ اور حال میں بھی ایک تقریر میں موجودہ زمانہ کے علماء کے ذکر میں فرمایا کہ میں نے کئی بار چیلنج دیا ہے کہ قرعہ ڈالکر قرآن مجید کا کوئی مقام نکال لو ۔ اگر یہ نہیں تو جس مقام پر تم کو زیادہ عبور رہو، بلکہ یہانتک کہ تم ایک مقام

پر جتنا عرصہ چاہو غور کر لو اور مجھے وہ نہ بتاؤ پھر میرے مقابلہ میں آکر تفسیر لکھو۔ دنیا فوراً دیکھ لیگی کہ علوم کے دروازے مجھ پر کھلتے ہیں یا اُن پر۔" (الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء ص ۱۵/۵)

پیر کہے اور مرید تائید نہ کریں، ناممکن ہے۔ چنانچہ پیر صاحب کی تائید میں ایک مضمون "الفضل" میں نکلا جس میں چند سوقیانہ الفاظ یہ تھے۔

"یہ کام (تفسیر نویسی) آسان نہیں۔ ورنہ انور شاہ دیوبندی۔ مولوی ثناء اللہ۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور دیگر کبائر کیوں صُمٌّ بُکمٌ کے مصداق بن رہے ہیں۔" (الفضل ۲۳۔ مئی ۱۹۳۰ء)

اسی دعوت ثانیہ کی تحریک پر مولوی نور الٰہی (نور) گھر جاکھی کی ایک مرزائی دوست سے اس بارے میں مکاتبت ہوئی جس پر مجھے توجہ دلائی گئی۔ تو میں نے اُن کی چٹھی "اہلحدیث" ۲۳ مئی ۱۹۳۰ء میں درج کر کے نیچے لکھا کہ

"پہلے بھی خلیفہ قادیان نے دیوبندیوں کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا۔ جس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ تعلیمی حیثیت سے ہم بھی دیوبندی ہیں پس ایک سادہ قرآن شریف لیکر بٹالہ کی جامع مسجد میں آکر بالمقابل تفسیر لکھئے۔ جس کے جواب میں آجتک ہاں نہ پہنچی بلکہ انکار کر گئے۔ گذشتہ راصلوٰۃ۔ اب بھی ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں صرف یہ کہ سادہ قرآن اور کاغذ قلم دوات لیکر الگ الگ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنا ہوگا۔ اور تفسیر اور معارف کے لئے ضروری ہوگا کہ علوم عربیہ کے ماتحت ہوں۔ بس۔" (ابوالوفاء)

اس کے بعد "اہلحدیث" ۲۷ جون ۱۹۳۰ء میں بھی اسی مضمون کی یاد دہانی کی گئی۔ اس پر "الفضل" (۲۲۔ جولائی ۱۹۳۰ء) میں ایک نوٹ نکلا جو یہ ہے۔

"چند روز ہوئے مولوی ثناء اللہ نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے مقابلہ میں تفسیر نویسی پر آمادگی کا ذکر اپنے اخبار میں کیا تھا۔ اس سلسلہ میں پرائیویٹ سکرٹری صاحب نے شملہ سے اطلاع دی ہے کہ

پچھلے مضامین کے حوالے نکلوائے جا رہے ہیں اور انشاء اللہ العزیز جلدی ہی مولوی صاحب کے مضمون کا جواب لکھا جائیگا۔"

الجواب "لکھا جائیگا" کا فقرہ پڑھکر بہت خوشی ہوئی کہ اب ہم قادیان پر چوتھی مرتبہ فتح بین پائینگے[1]۔ انشاء اللہ۔ مگر اس اعلان کے بعد ایسے خاموش ہوئے کہ ہمیں خیال گذرا کہ قادیانی وعدہ بھی معشوقانہ وعدہ سے کم نہیں ؎

ماموا عیدھا الا الا باطیل

مریدان باصفا اگرچہ اپنی صفائی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لیکن دفتروں میں یا شہروں اور دیہات میں فریق مخالف کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آکر اپنی آہ دبکا قصر خلافت میں بھیجتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس امر میں بھی ایسا ہی ہوا۔ تو خلیفہ قادیان نے بڑی اہمیت سے سالانہ جلسہ قادیان میں ایک طویل تقریر کی جو بعد انتظار بسیار "الفضل" (۳۱۔ جنوری ۱۹۳۱ء) میں چھپکر آئی جو درج ذیل ہے۔

" اس سال جب میں شملہ جانے لگا تو مجھے معلوم ہوا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے بالمقابل تفسیر نویسی کے متعلق ایک مضمون شائع کیا ہے[2]۔ روانگی کے وقت وہ مضمون مجھے ملا۔ شملہ میں چونکہ اور بہت کام تھا اس لئے میں اس مضمون کی طرف توجہ نہ کرسکا۔ × × × ×

تفسیر نویسی کے متعلق چیلنج اب میں اصل بحث کو لیتا ہوں۔ ۷۔ مارچ ۱۹۳۰ء کے "الفضل" میں میرا ایک مکالمہ ایک غیر احمدی مولوی سے جو بڑے سیاح تھے اور اُنہوں نے دنیا کے بڑے حصہ کا چکر لگایا تھا شائع ہوا۔ آخر

---

[1] مرزا صاحب نے مجھے قادیان پہنچکر گفتگو کرنے کی دعوت دی۔ میں ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہنچا مرزا صاحب نہ نکلے۔ ایک فتح (۲) مرزا صاحب متوفی نے آخری فیصلہ کا اشتہار دیا کہ مرزا اور مولوی ثناء اللہ میں جھوٹا پہلے مریگا۔ وہ مرگئے۔ دوسری فتح (۳) مرزا صاحب کے مریدوں نے اس مضمون پر انعامی مباحثہ کرکے تین سو روپیہ ہم کو جرمانہ دیا۔ تیسری فتح۔ انہی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔

[2] کیا خوب؟ حالانکہ خود چیلنج دیتے ہیں۔ مگر دیکر بھولجاتے ہیں ۱۲

اُنہوں نے بیعت کر لی اور حیدرآباد میں جا کر فوت ہو گئے۔ اُنہوں نے مجھ سے کئی سوالات کئے تھے جن کے میں نے جواب دئے۔ اسی سلسلہ میں اُنہوں نے پوچھا کیا علماء اندھے ہیں جو ایسی واضح دلائل کو نہیں مانتے۔ اس کے جواب میں مَیں نے اُنہیں جو کچھ کہا وہ الفضل (۷۔ مارچ ۱۹۳۰ء) میں ان الفاظ میں شائع ہوا ہے[1] × × ×

مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب الفضل میں اس مکالمہ کے شائع ہونے پر غالبًا بعض لوگوں کی تحریک پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا۔

"پہلے بھی خلیفہ قادیان نے دیوبندیوں کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا جس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ تعلیمی حیثیت سے ہم بھی دیوبندی ہیں۔ پس ایک سادہ قرآن شریف لیکر بٹالہ کی جامع مسجد میں آکر بالمقابل تفسیر لکھئے جس کے جواب میں آجتک ہاں نہ پہنچی۔ بلکہ انکار کر گئے۔ گذشتہ راصلوٰۃ۔ اب سہی۔ ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ صرف یہ کہ سادہ قرآن اور کاغذ قلم دوات لیکر الگ الگ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنا ہوگا۔ اور تفسیر اور معارف کیلئے ضروری ہوگا کہ علوم عربیہ کے ماتحت ہوں۔ بس۔"

(اہلحدیث ۲۳۔ مئی ۱۹۳۰ء)

کیا مولوی صاحب نے چیلنج منظور کیا اس تحریر سے یہ امور ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر نویسی کے متعلق میرا وہ چیلنج منظور کر لیا تھا جو میں نے دیوبندیوں کو دیا تھا۔ دوم یہ کہ باوجود ان کے قبول کر لینے کے میری طرف سے ہاں نہ پہنچی بلکہ انکار کر دیا۔

پہلی بات کہ مولوی صاحب نے چیلنج منظور کر لیا تھا خود ان کی اپنی بات سے رد ہو جاتی ہے۔ وہ چیلنج منظور نہیں کرتے بلکہ ایک نیا چیلنج دیتے ہیں۔

[1] یہ الفاظ رسالہ ہذا کے صفحہ ۱۲ پر درج ہوئے ہیں

چنانچہ باوجود یہ لکھنے کے کہ ان کی طرف سے کوئی شرط نہیں، پھر شرطیں[ف۱] پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ شرطیں پیش کرنے کا حق چیلنج دینے والے کا ہوتا ہے چیلنج منظور کرنے والے کا نہیں ہوتا۔ چیلنج منظور کرنے والا یہ تو کہہ سکتا ہے کہ جو شرائط پیش کی گئی ہیں وہ معقول نہیں غلط ہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی طرف سے یہ شرطیں پیش کرتا ہوں × × ×

کیا مولوی صاحب کو جواب نہ دیا گیا | مولوی صاحب نے یہ جو کہا ہے کہ ان کو جواب نہ دیا گیا تھا اور ہماری طرف سے خاموشی رہی۔ یہ بھی درست نہیں۔ ان کو جواب دیا گیا تھا۔ چنانچہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے الفضل میں میری منظوری سے ایک مضمون شائع کیا گیا[ف۲] × × ×

اصل چیلنج اب بھی قائم ہے | میرا اصل چیلنج جو اُس وقت دیا گیا تھا اور جواب بھی قائم ہے ۱۶۔ جولائی ۱۹۲۵ء کے الفضل میں شائع ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے۔

"غیر احمدی علماء ملکر قرآن کریم کے وہ معارف روحانیہ بیان کریں جو پہلی کسی کتاب میں نہیں ملتے اور جن کے بغیر روحانی تکمیل ناممکن تھی۔ پھر میں ان کے مقابلہ پر کم سے کم دو گنے معارف قرآنیہ بیان کرونگا جو حضرت مسیح موعود (مرزا) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھے ہیں۔ اور ان مولویوں کو تو کیا

ف۱ ہم نے شرطوں کی نفی کی ہے شرط نہیں لگائی۔ ہم نے تو یہ کہا تھا کہ سادہ قرآن اور کاغذ قلم لیکر آجاؤ۔ اس نفی شرط کو شرط کہنا قادیانی دماغ والوں کا کام ہے۔

ف۲ آپ نے ہمارے انکار کہنے کا مطلب نہیں سمجھا یا دانستہ مریدوں کو سمجھنے سے مانع ہوئے ہیں۔ آپ نے ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جو لکھا تھا اُس کا جواب اہلحدیث ۱۳۔ نومبر ۱۹۲۵ء میں دیا گیا تھا۔ جس کو الفضل ۲۵۔ دسمبر ۲۵ء میں نقل کر کے وہ لکھا جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ جس کا شروع "بے شک" سے ہے اور خاتمہ "کیا مطلب" پر ہے۔ اُس عبارت سے ہر ایک دانا انکار بلکہ فرار ہی سمجھیگا۔ پس آپ کا ۲۷۔ اکتوبر کا حوالہ دیکر انکار سے انکار کرنا غلط ہے ۱۲

سوجھے تھے، پہلے مفسرین و مصنفین نے بھی نہیں لکھے۔ اگر میں کم سے کم دو گنے ایسے معارف نہ لکھ سکوں تو بیشک مولوی صاحبان اعتراض کریں × × ×

سادہ قرآن کی شرط یہ وہ چیلنج ہے جو دیوبندی مولوی کو دیا گیا تھا جس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا تھا کہ میں بھی دیوبند کا پڑھا ہوا ہوں، میں اسے منظور کرتا ہوں۔ لیکن کہتے ہیں سادہ قرآن اور کاغذ قلم دوات لیکر الگ الگ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنا ہوگا۔ میں کہتا ہوں ترجمہ یا بے ترجمہ کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب کی عقل میں اتنی کمی آ گئی ہے[ف۱] کہ باوجود اس کے انہوں نے میرے متعدد مضامین اور کتابیں پڑھی ہونگی۔ مخالفین پر میری تحریروں کا رعب بھی جانتے ہیں[ف۲]۔ مگر خیال کرتے ہیں کہ جب میرے ہاتھ میں بے ترجمہ قرآن آیا تو بس میں ان کے مقابلہ میں رہجاؤنگا۔ گویا جو کچھ میری طرف سے شائع ہوتا ہے وہ مولوی صاحب مجھے لکھکر بھیجدیا کرتے ہیں اور میں اپنی طرف سے اسے شائع کردیتا ہوں۔

ترجمہ کرنے کا چیلنج نہیں دیا گیا مولوی صاحب کو یاد رکھنا چاہئے میری طرف سے یہ چیلنج نہیں کہ میں بڑا عالم ہوں۔ اگر کوئی یہ دعوٰے کرے تو اس کیلئے ایسی بات پیش کردینا جو اس کی ذاتی قابلیت کی نفی کرتی ہو۔ اس کے دعوے کو رد کرسکتی ہے۔ مگر جو یہ کہتا ہو کہ مجھے خدا تعالےٰ کیطرف سے تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی چیز پیش کرے جس میں خدا تعالےٰ کی تائید شامل ہو × × ×

میں نے اُردو میں ترجمہ کرنے کا چیلنج نہیں دیا × × ×

تفسیروں کے دیکھنے کی ضرورت اب میں یہ بتاتا ہوں کہ تفسیروں

ف۱ بلکہ باپ کے مراق سے مراقی ہوگئے ہیں۔ (دیکھو رسالہ مراق مرزا صفحہ)

ف۲ ہم تو مانتے ہیں مگر پیغامی لاہوری نہیں مانتے ۱۲

وغیرہ کے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ زیر بحث یہ امر تھا کہ تفسیر لکھنے والے کی تفسیر میں کچھ ایسے معارف ہوں جو پہلی کتابوں میں نہ ہوں۔ مگر میں تفسیروں کا حافظ نہیں ہوں۔ پھر ان تفسیروں کو دیکھے بغیر یہ کسطرح پتہ لگ سکتا ہے کہ فلاں بات ان میں آئی ہے یا نہیں آئی × × × ×

کلید قرآن کی ضرورت اسی طرح قرآن کریم کی کلید کی بھی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ میرا یہ دعوےٰ نہیں کہ میں قرآن کریم کا حافظ ہوں۔ اس لئے قرآن کریم کی کلید کی ضرورت ہوگی۔ وہ مضمون جو میرے ذہن میں ہوتا ہے وہ دوسروں کو معلوم نہیں ہوتا مگر ساری آیت مجھے یاد نہیں ہوتی × × × مولوی صاحب نے یہ شرط لگائی ہے کہ تفسیر اور معارف کیلئے ضروری ہوگا کہ علوم عربیہ کے ماتحت ہوں۔ مگر یہ صاف بات ہے اور ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ ورنہ مثلاً قرآن کریم میں جو ذٰلک الکتاب آیا ہے' میں کتاب کے معنے کپڑا لکھوں تو ہر شخص سمجھیگا کہ یہ غلط ہے۔ پھر اس شرط کے پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے[ف۱]۔ اگر علوم عربیہ کے خلاف کوئی بات ہوگی تو وہ تو فوراً رد ہو جائیگی۔

مولوی صاحب کی تحریر میں ایک اور بھی لطیفہ ہے۔ وہ ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ اور کوئی کتاب پاس نہ ہو۔ جس سے مراد اُن کی تفاسیر ہیں' اور دوسری طرف یہ شرط لگاتے ہیں کہ صرف سادہ یعنی بے ترجمہ قرآن ہو۔ گویا ان کے نزدیک اگر میرے پاس سادہ قرآن ہوا تو میں کچھ نہ لکھ سکونگا۔ کیونکہ قرآن کریم عربی میں ہے اور میں عربی نہیں جانتا۔ لیکن ساتھ ہی ان کے خیال میں میرے پاس رازی کی تفسیر نہیں ہونی چاہئیے تا ایسا نہ ہو کہ میں اس کے مطالب نہ چُرالوں[ف۲]۔

ف۱ جن کے بڑے میاں نے "دمشق" کے معنے "قادیان" کئے ہوں اُن سے کیا تعجب کہ کتاب کے معنے کپڑے کے کردیں۔ ف۲ پہلے بھی نہ پھر بھی نہ کیسی لطیف زبان ہے ۱۲

مولوی صاحب کی اس بات سے ظاہر ہے کہ جب خدا کسی کی عقل مار دیتا ہے تو وہ عام بیوقوفوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ جو شخص قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتا وہ رازی اور ابن حبان کے مطالب کو سمجھ لیگا۔ اور ان کی تفاسیر سے مضمون چرالیگا۔ اگر مولوی صاحب کی عقل میں یہ بات آگئی ہے تو گو یہ انتہائی درجہ کی احمقانہ بات ہے' میں یہ شرط اپنے چیلنج میں اور بڑھا دیتا ہوں کہ کوئی اُردو کی کتاب نہ رکھنی ہوگی اور نہ ترجمہ والا قرآن ہوگا × × ×

مقابلہ پر آئیں غرض اگر انہوں نے میرا چیلنج منظور کر لیا ہے تو آئیں معارف لکھیں۔ ان کا خرچ ہم دینگے۔ اب میں چند کی شرط بھی نہیں رکھتا تمام کے تمام نکات ایسے ہونگے جو کسی پہلی کتاب میں نہ ہونگے۔ اور ان تفسیروں میں تو یقیناً نہ ہونگے جو پاس رکھی جائینگی۔ وہ صرف اس لئے رکھی جائینگی کہ تا معلوم ہو مفسرین نے کیا لکھا ہے۔ تاہم ان کی لکھی ہوئی باتوں میں نہ پڑیں۔" (الفضل ۳۱۔ جنوری ۱۹۳۱ء)

الجواب اس سارے مضمون کا خلاصہ دو فقرے ہیں (۱) یہ کہ میاں محمود صاحب تفسیر نویسی کے وقت عربی تفسیریں اور کلید قرآن ساتھ رکھینگے (۲) اور معارف جو بتائینگے وہ اپنے باپ مرزا صاحب کی تحریرات سے بتائینگے۔ (دیکھو رسالہ ہذا کا صفحہ ۲ سطر ۱۵/۱۴) پہلے فقرے کا جواب تو خود مرزا صاحب متوفی کی تحریر سے ملتا ہے جو بوقت تفسیر نویسی جامہ تلاشی دینے اور لینے کی شرط لگا چکے ہیں۔ ناظرین اُن کا قول رسالہ ہذا کے صفحہ ۱۴ سطر ۳ میں زیر خط ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا فقرہ آپ کی اصل لیاقت کا کافی اظہار کرتا ہے۔ ناظرین ایک مرتبہ پھر رسالہ کے صفحہ ۱۶/۱۷ پر الفضل ۲۸۔ مارچ ۱۹۳۰ء کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ کس زور اور کیسی تعلی سے دون کی لیتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے حضور (خلیفہ قادیان) کو قرآن کا ایسا علم عطا کیا ہے کہ کوئی

مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

کیا وہ علم یہی ہے کہ جو باوا جی نے کہا بیٹا جی نے "در نقل چہ عقل" کہکر نقل کر دیا۔

ارے جناب! آپ کے والد ماجد کے معارف کے نمونے تو ہم بھی رسالہ "نکات مرزا" میں دکھا چکے ہیں۔ بلکہ اُنکے معارف کی وجہ سے ہم اس شعر پر ایمان بھی لا چکے ہیں ؎ نہ پہنچا ہے نہ پہنچیگا تمہاری ظلم کیشی کو

بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ گر پہلے

کیسا افسوس کا مقام ہے کہ سالانہ جلسہ میں ہزاروں کے مجمع میں یہ تقریر کی۔ پھر بعینہٖ پھر اُس تقریر کو ما بچھ کر شائع کیا جسمیں دنیا بھر کے علماء اسلام کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا گیا ہے۔ آخر بات نکلی تو یہ کہ "میں معارف قرآنیہ بیان کرونگا جو میرے والد نے لکھے ہیں۔"

مرزا صاحب کے مریدو! ہم تم سے یہ نہیں کہتے کہ تم مرزا صاحب کو چھوڑ دو یہ تو تمہاری مرضی پر موقوف ہے۔ ہاں یہ کہنا تو ہمارا حق ہے اور ماننا تمہارا فرض ہے کہ "خلیفہ قادیان کا دعویٰ قرآن دانی کا تھا۔ اس دعوے کا ثبوت اُن کی لیاقت سے ہونا چاہیئے۔"

معاف رکھنا والد کی تفسیر کو اپنی لیاقت بتانا آریوں کے نیوگ کے مشابہ ہے۔

بعد اللتیا والتی مختصر یہ ہے کہ آپ سادہ قرآن لیکر میرے مقرر کردہ مقام بٹالہ میں یا اپنے والد کے مقرر کردہ مقام لاہور میں آکر کسی محفوظ مکان میں بالمقابل عربی میں تفسیر لکھیں۔ عربی میں نہ لکھ سکیں تو اُردو بھی منظور کر سکتا ہوں۔ کتاب کلید قرآن کی بھی اجازت دیدونگا۔ بس اب زیادہ باتیں نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے یہ کہنے کا موقع ملے ؎

نہیں وہ قول کا پکا ہمیشہ قول دے دے کر

جو اُس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

(آپ کا بہی خواہ۔ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری)

{اس کے بعد مارچ ۱۹۳۱ء میں "الفضل" پھر بولا۔ تو اُس کا جواب "اہلحدیث" ۳۔ اپریل ۱۹۳۱ء}